بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادب

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں

اقتباس از:

امام جعفر صادق علیہ السلام

اور

سائنسی انکشافات

۲۵ عالمی دانشوروں کی تحقیقات کا مجموعہ

پبلشر: موسسہ اہلبیت علیہ السلام پاکستان

پیشکش: سید جہانزیب عابدی و اہلبیت

ادب امام جعفر صادقؑ کی نظر میں

ہم نے عباسی خلفاء کے دارالحکومت میں ابنِ راوندی کی زندگی سے متعلق یہ مختصر گفتگو اس لئے پیش کی تاکہ یہ بتاسکیں کہ امام جعفر صادقؑ کی مذہبی ثقافت میں بحث و مباحثہ کی کس قدر آزادی تھی۔ اور کسی شخص کو اس کے نظریات کی بنیاد پر آزار نہیں پہنچایا جاتا تھا۔

اسی ابنِ راوندی کو جو عراق (عجم) میں امام جعفر صادقؑ کے مکتبِ ثقافت میں جو چاہتا لکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی خلفاء کے دورِ حکومت میں اپنی تحریر کی بناء پر دو مرتبہ موت کے منہ میں گیا۔ پہلی مرتبہ خلیفہ اور دوسری مرتبہ اہلِ تصوّف اس کے جانی دشمن بن گئے اور اگر دوسری بار عباس صردم اس کے کام نہ آتا تو یقیناً اس کا کام تمام ہوگیا ہوتا۔

امام جعفر صادقؑ کی مذہبی ثقافت کے استحکام کا راز یہ تھا کہ اس ثقافت کے چار ارکان میں سے فقط ایک رکن مذہب سے متعلق تھا اور باقی تین ارکان ادب، علم اور عرفان سے متعلق تھے۔

دنیا کی تاریخ میں امام جعفر صادقؑ کی مذہبی ثقافت کے برابر کسی مذہبی ثقافت میں علم

وادب کو اتنی اہمیت حاصل نہیں۔ آپؑ کی مذہبی ثقافت میں علم و ادب کی اتنی اہمیت تھی کہ محقق کو اپنے آپ سے یہ سوال کرنا پڑتا ہے کہ اس مذہبی ثقافت میں ادب اور علم کی زیادہ اہمیت تھی یا مذہب کی؟

آپؑ جانتے تھے اور آپؑ نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ مومن کو مستحکم ایمان کا حامل بننے کے لئے علم و ادب سے کام لینا چاہئے۔

آپؑ نے فرمایا ہے کہ ایک عام انسان کا ایمان بالکل سطحی اور غیر مستحکم ہے۔ ایک عام فرد ہونے کی حیثیت سے وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیوں اور کس پر ایمان رکھتا ہے؟ اور چونکہ اس کے ایمان میں استحکام نہیں لہٰذا وہ کسی بھی وقت اسے کھو سکتا ہے لیکن وہ مومن جو علم و ادب کا حامل ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیوں اور کس پر ایمان رکھتا ہے اور اسی لئے مرتے دم تک اس کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔ امام جعفر صادقؑ نے یہ بتانے کے لئے کہ علم و ادب کس طرح ایمان کو استحکام بخشتے ہیں دوسرے مذاہب کی مثال پیش کی اور فرمایا کہ جب اسلام وسعت پا کر جزیرۃ العرب سے دوسرے ملکوں میں داخل ہوا تو وہاں کے عام لوگوں نے فوراً ہی اسے قبول کرلیا جب کہ علم و ادب کے حامل افراد نے تامل سے کام لیا اور جب ان پر یہ ثابت ہوا کہ اسلام' دینِ دنیا و آخرت ہے تب وہ اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اسے قبول کیا۔

امام جعفر صادقؑ نے ادب کی وہ تعریف کی ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے زیادہ جامع تعریف کبھی کسی دانشمند کے ذہن میں ابھری ہو۔ آپؑ نے فرمایا کہ "ادب ایک پوشاک کا نام ہے جسے بولنے والے اور لکھنے والے اپنی تقریروں اور تحریروں کے زیب تن کرتے ہیں تاکہ وہ پڑھنے والے کے ذہن اور سننے والے کی سماعت پر زیادہ خوبصورت اور زیادہ دلکش انداز سے رونما ہو۔"

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ بولا یا لکھا جاتا ہے وہ اس پوشاک کے بغیر بدصورت و بدنما ہے۔ آپؑ اس پوشاک کے بغیر بھی تقریر و تحریر کو خوشنما اور دلنشین جانتے ہیں۔ تاہم آپؑ کا کہنا یہ ہے کہ جب انہیں ادب کی

پوشاک پہنائی جاتی ہے تو وہ کہیں زیادہ دلکش اور توجہ کا باعث بنتے ہیں۔ کیا امام جعفر صادقؑ کی رحلت کے بعد سے آج تک اس ساڑھے بارہ سو سال میں کسی نے ادب کی اتنی مختصر، اتنی جامع اور منطقی تعریف کی ہے؟

ادب کے بارے میں امام جعفر صادقؑ کا دوسرا نظریہ آپؑ کا یہ ارشاد ہے!

"ممکن ہے ادب کوئی علم نہ ہو تاہم کوئی علم ادب سے خالی نہیں" اور یہ بھی علم اور ادب کے ارتباط سے متعلق ایک نہایت مختصراور جامع تعریف ہے۔

ہم یہ اندازہ نہیں کرسکتے کہ امام جعفر صادقؑ کو ادب سے زیادہ دلچسپی تھی یا علم سے؟ آپؑ کے ذہن میں شعر کی زیادہ اہمیت تھی یا علم طبیعیات کی؟ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جنہیں علم اور ادب دونوں سے یکساں دلچسپی رہی ہو۔ کیونکہ قریب قریب تمام نوع بشر کی فکری استعداد کچھ اس انداز کی ہے کہ وہ یا ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں یا علم سے۔

ادب سے شغف رکھنے والے علم کو ایک خشک اور خشن موضوع اور مادی فوائد و آسائش حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جس میں زندگی کا مقصد سوائے دوسروں کو دبانے اور نقصان پہنچانے کے اور کچھ نہیں ہوتا اور اپنے آپ کو علم کی طرف جانے والوں سے زیادہ باذوق اور باسلیقہ تصور کرتے ہیں۔

علمی استعداد کے حامل افراد ادب کو طفلانہ سرگرمیوں یا تصوراتی مشاغل میں شمار کرتے ہیں اور ایک مستعد انسان کو اس سے بالاتر سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ادب سے وابستہ کرے۔

سوداگروں اور تجارت پیشہ گروہ کے نزدیک ادب وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ گروہ ان لوگوں کی عقلِ سلیم پر بھی شبہ کرتا ہے جو ادب کو اہمیت دے کر اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس میں صرف کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عقلِ سلیم کے حامل افراد کبھی اپنی عمر کو ان امور میں ضائع نہیں کرتے جن سے انہیں کوئی مادی فائدہ حاصل نہ ہو۔ ہمیں اس گروہ سے کوئی مطلب نہیں کیونکہ اس گروہ کی نظر میں نہ صرف یہ کہ

ادب کی کوئی قدروقیمت نہیں بلکہ اس وقت تک علم کی بھی کوئی وقعت نہ تھی جب تک اس نے صنعت کو وجود نہیں بخشا۔ لیکن جب علم نے صنعت کو فروغ دیا تو چونکہ صنعت، دولت و ثروت کی آماجگاہ تھی لہٰذا قابلِ قدر سمجھی گئی۔ اور علم کی اس قدروقیمت کا آغاز بھی اٹھارویں صدی عیسوی سے ہوا جب تاجروں نے ایسی صنعتوں کی طرف توجہ دی جن کے ذریعہ زیادہ منفعت حاصل کی جاسکتی تھی۔

امام جعفر صادقؑ ان شاذ و نادر اشخاص میں تھے جنہیں علم و ادب دونوں سے شغف تھا۔ آپؑ جس مقام پر درس دینے کے لئے بیٹھتے تھے وہاں آپؑ کے بالائے سر یہ شعر لکھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

لیس الیتیم قد مات والدہ
ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی "یتیم وہ نہیں جس کا باپ مرگیا ہو بلکہ یتیم وہ ہے جو علم وادب سے بے بہرہ ہو۔"

امام جعفر صادقؑ کی مذہبی ثقافت کے وجود میں آنے سے قبل، عربوں میں ادب کا اطلاق شعر پر ہوتا تھا۔ اور ہم کہہ چکے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں عربوں کے پاس نثری ادب کا فقدان تھا۔ اور پہلی صدی ہجری میں عربوں کے پاس نثر میں ادبی آثار بہت ہی کم تھے۔ جس میں نمایاں ترین یادگار حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی "نہج البلاغہ" ہے۔

امام جعفر صادقؑ دوسری صدی ہجری کے نیمہ اوّل میں نثری ادب کی جانب مائل ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عربی زبان کا نثری ادب سے رشتہ استوار کرنے والی ہستی آپؑ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے عربوں میں ادبی انعامات کو برقرار کیا۔

اگر ادبی انعامات سے مراد یہ ہو کہ شاعر یا لکھنے والے کو کوئی صلہ ملے تو یہ روایت

درست نہیں کیونکہ شعراء کے لئے انعام کا طریقہ کار قدیم زمانے سے جزیرۃ العرب میں رائج تھا اور ظہورِ اسلام کے بعد بھی یہ رسم جاری رہی۔ جب کوئی شاعر اپنے خوبصورت شعر کو کسی رئیس کی خدمت میں پیش کرتا تو اسے انعام ملتا تھا۔

لیکن نثری ادب میں اس رسم کی ابتداء امام جعفر صادقؑ نے کی۔ عرب قوم، ظہورِ اسلام سے قبل اور اس کے بعد پہلی صدی ہجری میں نثری ادب کو ادبی آثار میں شمار ہی نہیں کرتی تھی چہ جائے کہ ان کے لکھنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازے۔ نثری آثار پر انعام کی رسم ایک روایت کے مطابق امام جعفر صادقؑ نے ایجاد کی۔

ہمیں اس بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے نثر کے ادبی آثار لکھنے والوں کے لئے انعامات کا انتظام کیا لیکن اس بات میں شبہ ہے کہ کیا آپ ہی وہ فردِ اوّل ہیں جنہوں نے ادیبوں کو انعام و اکرام سے نوازا یا آپؑ سے پہلے آپؑ کے پدرِ بزرگوار امام محمد باقرؑ نے اس رسم کو جاری کیا۔

ابتداء میں امام جعفر صادقؑ اور ان کے دو شاگرد ادبی انعام کے مستحق افراد کا انتخاب کرتے تھے۔ لیکن بعد میں ان کی تعداد پانچ ہوگئی۔ اور جب ان میں سے تین افراد کسی لکھنے والے کے بارے میں متفق الرائے ہوتے تو اسے انعام کا حقدار قرار دیا جاتا تھا۔

امام جعفر صادقؑ کا نثری ادب کے پھیلاؤ میں ایک کردار یہ بھی تھا کہ آپؑ لکھنے والوں کو مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ کسی خاص موضوع پر قلم فرسائی کریں۔ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مضمون انتخاب کرنے میں آزاد تھا۔ مضمون کی تکمیل کے بعد وہ اسے امامؑ کی خدمت میں پیش کرتا اور آپؑ اسے پانچ افراد پر مشتمل کمیٹی کے سپرد کردیتے۔ اب اگر ان میں سے تین افراد اس لکھنے والے کو انعام کا حقدار قرار دیتے تو اسے انعام دیا جاتا ۔امام جعفر صادقؑ نے فراخدلی کے ساتھ نظم و نثر دونوں کو ادب میں شامل کیا۔ آپؑ کی نظر میں فقط شعر کہنے والا یا فی البدیہہ تقریر کرنے والا یا لکھ کر اسے پڑھنے والا ہی ادیب نہ تھا بلکہ جو کوئی جس موضوع پر نظم یا نثر میں زیادہ دلکش اندازِ تحریر اختیار کرتا وہ ادیب

کہلاتا۔ آپؑ علم اور ادب کو نہ صرف مذہبی ثقافت کے اعتبار سے ضروری جانتے تھے بلکہ ارتقاءِ بشر اور مستحسن صفات کی تقویت کے لئے بھی اسے ضروری سمجھتے تھے۔

آپؑ جانتے تھے کہ جس قوم میں ادباء اور علماء کی فراوانی ہوگی وہاں مشکل ہی سے کسی کا حق سلب ہوگا اور اگر پوری قوم علم و ادب سے بہرہ ور ہو تو زندگی کے تمام شعبوں میں آسانیاں دکھائی دیں گی۔

امام جعفر صادقؑ نے مذہب، ادب، علم اور عرفان پر مبنی اس چار رکنی مذہبی ثقافت کو شیعہ مذہب کی تقویت و بقاء کے لئے اس سے کہیں زیادہ مفید اور ضروری جانا کہ کوئی اس کے لئے کسی عظیم الشان عمارت کی بنیاد قائم کرے۔

آپؑ نے شیعہ مذہب کے لئے "سن پیرے" کی طرح کسی عمارت کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ اس مذہبی ثقافت کو تشکیل دیا جسے "سن پیرے" سے کہیں زیادہ دوام حاصل ہے۔ "سن پیرے" کے پہلے گرجا گھر کی طرح ایک مذہبی عمارت تباہ ہوسکتی ہے مگر امام جعفر صادقؑ کی مذہبی ثقافت کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ (۱) "سن پیرے" کے پہلے گرجا گھر کی تعمیر

۱۔ فرانسیسی "سن پیرے" "اٹالین" "سینٹ پیٹر" اور لاطینی "سانکتہ پیٹرس" دراصل ایک ہی لفظ ہے جس سے مراد روم کا وہ مشہور و معروف گرجا گھر ہے جو اپنے رقبے اور خوبصورتی کے اعتبار سے دنیائے مسیحیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس عجوبہ روزگار کو دیکھنے ہر سال ایک کروڑ پچاس لاکھ عیسائی دنیا کے مختلف علاقوں سے روم جاتے ہیں اور آج چار سو سال سے ۵۰ ماہرینِ تعمیر پر مشتمل اٹلی کی ایک جماعت تقریباً ایک سو کاریگروں کے ساتھ مستقل طور پر اس کی تعمیر میں مصروف ہے۔ پچاس ماہرینِ تعمیر کی یہ جماعت جسے اٹلی کی زبان میں "سام پیٹری" کہا جاتا ہے۔ لوگوں کے درمیان بہت قابلِ احترام ہے۔ یہ گرجا گھر اٹلی کے جدید ترین فنِ تعمیر کا نمونہ ہے۔ اس عمارت کے اصل حصوں کی تعمیر ۱۲۰ سال میں مکمل ہوئی اور اس کی آرائش کا کام بیسویں صدی تک جاری رہا۔ اگر کیتھولک پادریوں کی مستقل انجمن نہ ہوتی تو آج بھی یہ گرجا گھر نہ ہوتا۔ دوسری عالمی جنگ میں امریکہ اور روس دونوں نے اس چرچ کے احترام میں روم پر بمباری سے صَرفِ نظر کیا۔ (فارسی مترجم)

روم کے پہلے مسیحی بادشاہ "قسطنطین" کی طرف سے ۳۲۶ عیسوی میں شروع ہوئی اور کئی سال بعد اختتام کو پہنچی۔ یہ عبادت گاہ دورِ جدید کے آغاز تک قائم رہی اور کیتھولک مذہب کے پیشوا پوپ "جوئیل دوم" کے حکم سے ڈھا دی گئی اور اس کی جگہ موجودہ "سن پیرے" کا گرجا تعمیر ہوا (ا)۔

اگر امام جعفر صادقؑ بھی شیعہ مذہب کے لئے اسی طرح کی کوئی عظیم الشان عمارت تعمیر کرتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اس مذہب سے مخالفت کی بناء پر اسے مسمار کر دیتا اور آج اس کا نشان بھی باقی نہ رہتا۔ لیکن آپؑ نے شیعی ثقافت کی تشکیل اور اس کے استحکام پر توجہ دی تاکہ یہ ہمیشہ باقی رہے۔ آپؑ نے اس مقصد کے لئے اس کے مذکورہ بالا چار ارکان کو تقویت دی خاص طور پر علم، ادب اور مذہب کے ارکان کو استحکام بخشنے کی کوشش کی اور اس حد تک محنت کی کہ دوسری صدی ہجری کا پہلا نصف حصہ جو آپؑ کی تدریس کا دور تھا، اسلامی دنیا میں علم و ادب کی ترقی کے آغاز کا دور کہلایا اگرچہ آپؑ اکیلے علم و ادب کے محرک نہ تھے تاہم آپؑ نے تن وتنہا اس میدان میں قدم آگے بڑھایا اور دوسروں نے آپؑ کی تاسّی کی۔

اگر امام جعفر صادقؑ علم و ادب کی توسیع اور علماء و ادباء کی تشویق کے لئے آگے نہ بڑھتے تو دوسری صدی ہجری کے نیمۂ دوم اور پوری تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں عرب ممالک میں رونما ہونے والی عظیم ادبی اور علمی تحریک کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علم وادب کی ترویج وترقی کے بانی عباسی خلفاء ہیں وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں۔

ا۔ دورِ جدید سے مراد وہ دور ہے جس میں یورپ نے علم وہنر اور پھر صنعت سے اپنا ناطہ جوڑا۔ مورخین نے اس کا آغاز ۱۴۵۳ میں سقوط قسطنطنیہ سے کیا ہے لیکن امریکہ کی دریافت کے بعد سولہویں صدی عیسوی کے آغاز سے علم وہنر اور پھر صنعت نے یورپ میں پھیلنا شروع کیا۔ (فارسی مترجم)

آغاز میں آنے والے عباسی خلفاء کا اپنی حکومت کے استحکام کے علاوہ اور کوئی منشاء نہ تھا۔ ان کے بعد آنے والوں کو زیادہ تر مادی لذتوں سے بہرہ مندی کی فکر تھی۔ انہوں نے علم و ادب کے سلسلہ میں جو توجہ دی گویا ان کی زندگی کے حاشیہ کی تشکیل تھی (جیسا کہ ہم بطور اختصار متوکّل کے بارے میں عرض کرچکے ہیں)

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں علم و ادب کی طرف عباسی خلفاء کی توجہ محض رسم و رواج کی بنا پر تھی نہ یہ کہ انہیں علم وادب سے کوئی خاص لگاؤ تھا۔

پانچ سو سال مشرق میں حکومت کرنے والے ۳۷ عباسی خلفاء میں سے فقط گنتی کے چند ہی ایسے تھے جنہیں علم و ادب سے دلچسپی تھی ورنہ باقی سب کے سب مادی لذائذ کے حصول سے دلچسپی رکھتے تھے۔

مگر ساتھ ہی ساتھ ہمیں اس بات سے بھی انکار نہیں کرنا چاہئے کہ انہیں معدودے چند لوگوں کی علم و ادب سے دلچسپی نے اس کی ترویج و ترقی میں ایک موثر کردار ادا کیا اگرچہ یہ دلچسپی ایک رسم کے طور پر ہی کیوں نہ وجود پذیر ہوئی ہو۔

ان کے ہاتھوں میں بیت المال کا اختیار تھا اور اس کے علاوہ وہ ان گراں قدر ہدایات سے بھی کام لیتے تھے جو انہیں وقتاً فوقتاً مِلا کرتی تھیں۔ شعراء خطباء اور مبلّغین کے لئے برابر انعامات اس کا سبب بنتے تھے کہ دوسرے بھی اس کی ہوس کریں اور جہاں تک ہوسکے اکتسابِ علم وادب میں کوشاں رہیں تاکہ ان پر بھی خلیفہ کی نظرِ عنایت ہو اور انہیں بھی برابر انعامات سے نوازا جائے۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ زمانہء جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل کے رؤسا کے یہاں شعر سننا ایک عام بات تھی۔ اور یہ وہاں کا ایک روایتی طرزِ عمل تھا جسے انہوں نے دوسری قوموں سے اخذ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اس کے موجد و بانی تھے۔

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کسی قبیلے کے سردار کو شعر سننے سے دلچسپی نہ ہو یا وہ اس کے مفہوم کو درک نہ کرتا ہو لیکن شعر کے مفہوم کو درک نہ کرنے والے بھی ایک سنت یا روایت کے تحت شاعر کے کلام کو سنتے تھے۔

"شوپنہاور" کا کہنا ہے کہ چونکہ بدوی قبائل کے رؤسا کو بیکاری کے سبب تھکاوٹ ہوتی تھی لہٰذا وہ اپنا وقت شاعروں کا کلام سننے میں صرف کرتے تھے۔

"شوپنہاور" بدوی عربوں کے رؤسا کی شعر سے دلچسپی ہی کو ان کی بے کاری کا سبب نہیں جانتا بلکہ اس کی نظر میں تحصیلِ معاش کے علاوہ باقی تمام امور بے کاری میں شمار ہوتے ہیں ـــــ کھیل ہو، تفریح ہو یا دعوتیں اور شب نشینیاں، وہ ان سب کو بے کاری کا ایک مشغلہ جانتا ہے۔

اس جرمن فلسفی نے اپنے کام کے کمرے میں بالائے سر اس مضمون کا کتبہ نصب کیا تھا کہ "وہ شخص جو تمہیں دوپہر یا رات کے کھانے پر مدعو کرتا ہے تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے کیونکہ وہ تمہیں کام سے روکتا ہے۔" یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بے کاری کی وجہ سے حکمت و فلسفہ سے وابستہ ہوگیا تھا کیونکہ فلسفہ شوپنہاور کے لئے کسبِ معاش کا وسیلہ تھا اس لئے کہ وہ اس کا درس دیتا تھا۔

شاعر جب سردارِ قبیلہ کے سامنے اپنے اشعار پڑھتا تھا تو اسے انعام ملتا تھا اور رسم

ا۔ مشہور جرمن فلاسفر شوپنہاور نے ۷۲ سال کی عمر میں ۱۸۶۰ء میں اس دنیا کو خیرباد کہا۔ تاریخِ حکمت میں اسے ایک بدبین فلسفی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ وہ دکھ درد کو انسان کی سرنوشت کا حصہ سمجھتا تھا اور کہتا تھا چونکہ انسان اپنی خواہشات کو جامۂ عمل نہیں پہنا سکتا لہٰذا اسے تکلیف ہوتی ہے اور یہ روحانی اذیت آخری سانس تک اس کے ساتھ رہتی ہے۔ "دنیا فکر و خواہش" اس کی مشہور ترین کتاب ہے۔ شوپنہاور کی نظر میں کوئی شے قابلِ قدر نہیں ہے مگر اخلاق۔ چونکہ اس کے بقول احساس ہمدردی کا نام ہے جو دوسروں کی تکلیف کے مشاہدہ سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس کے نزدیک صحیح طور پر علم وادب کی بھی وقعت نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جب انسان اپنے ضعیف احساسات اور مستقل بے کاری سے تنگ آجاتا ہے تو علم وادب سے وابستہ ہو جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے آپ کو مصروف رکھے اور یہ کہ فضل فروشی اور تفاخر سے کام لے کر اپنے حقارت کے احساس میں کمی پیدا کرے۔ (فارسی مترجم)

ادب یہ تھی کہ وہ اپنے کلام میں چند اشعار رئیسِ قبیلہ کی مدح و ثنا کے لئے بھی وقف رکھے۔ البتہ اس کی تعریف ایک معین حد سے آگے نہیں بڑھتی تھی اور دورِ جاہلیت کے شاعر مدح سرائی میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے اور اپنے آپ کو قبیلے کے سردار کے سامنے حقیر وذلیل ظاہر نہیں کرتے تھے ان کی مدح اس تشکر کی مانند تھی جو مہمان نوازی کے بعد ایک مہمان میزبان سے کیا کرتا ہے۔

بعض افراد کا خیال ہے کہ "عکاظ" (عکاظ۔ ایک میلہ جو اسلام سے پہلے مکہ میں ہوتا تھا اور تین ہفتے جاری رہتا تھا۔) کی منڈی میں اشعار سنانے والے شعراء لوگوں سے رقم وصول کرتے تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

عرب کا شاعر دورِ جاہلیت میں اپنی قدروقیمت کا قائل تھا اور اپنی شخصیت کو محترم جانتا تھا اور قبائلی رؤسا سے جو صلہ وصول کرتا تھا وہ ایک قسم کی اجرت اور حقِ زحمت ہوتا تھا۔ شعر پڑھنے کے باعث جتنا حق اس کا رئیسِ قبیلہ پر ہوتا تھا اتنا حق اس کا نہیں ہوسکتا تھا جو صلہ دیتا تھا۔ شاعر یہ کہہ سکتا تھا کہ اس نے شعر کہہ کر قبیلہ کے سردار پر احسان کیا ہے مگر قبیلہ کا سردار یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے صلہ دے کر شاعر پر احسان کیا ہے۔

"عکاظ" کے موقع پر شعر پڑھنے والوں کا مقصد تفاخر تھا لوگوں سے کچھ بٹورنا نہ تھا۔ البتہ امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ جزیرۃ العرب میں کسی نے قبیلے کے سرداروں کے لئے یا پھر "عکاظ" کے موقع پر کوئی نثری کلام پیش کیا ہو۔ جو کلمات و مضامین شعر کے قالب میں نہ ڈھالے جاتے عرب میں ادب کا حصہ شمار نہ کئے جاتے تھے۔

یہاں تک کہ قرآن نازل ہوا اور قرآن یہی وجہ ہے کہ نثرِ عرب کا پہلا نثری ادب ثابت ہوا لیکن عربوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ قرآن کو ایک ادبی یادگار سمجھیں انہوں نے اسے معجزہ جانا یعنی ایک ایسی شے جو ماوراء ادب اور اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے۔ باوجود یہ کہ قرآن نے عرب قوم کو یہ بتایا کہ ایک نثری ادب کو وجود میں لایا جاسکتا

ہے مگر پہلی صدی ہجری میں سوائے حضرت علی ابن ابی طالب؊ آپؑ کے پوتے امام زین العابدینؑ اور پھر امام محمد باقرؑ کے علاوہ پورے جزیرۃ العرب میں کسی نے یہ کوشش نہ کی کہ وہ کتاب لکھے اور ادبی نثر کی تخلیق کرے۔ امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک وہ لوگ جو کوئی کتاب لکھنا چاہتے انہیں یہ فکر لاحق ہوتی کہ اپنے افکار کو شعر کے قالب میں سموئیں اور چونکہ شعر بحروں کے اوزان کا پابند ہوتا ہے اور شاعر کو قافیہ کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے لہٰذا وہ آزادی کے ساتھ صحیح طور پر اپنے افکار کو آنے والی نسلوں کے لئے قلمبند نہیں کر سکتے تھے۔

امام جعفر صادقؑ نے نثری ادب کی توسیع کے ذریعہ شعر کے قالب میں محبوس اسلامی مفکرین کے افکار کو بال وپر دیئے اور اس وقت میں جس کسی نے کوئی کتاب لکھنی چاہی اس نے نثر سے استفادہ کیا مگر اس طرح کہ اسلامی ادب میں شعر کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ کے بالائے سر جو کتبہ تھا اس پر یہ عبارت درج تھی کہ۔

لیس الیتیم قد مات والده
ان الیتیم یتیم العلم والادب

"یتیم وہ نہیں جس کا باپ مرگیا ہو بلکہ وہ ہے جو علم وادب سے بے بہرہ ہو۔"

---☆---☆---

التماس سورہ فاتحہ برائے بلندی درجات مرحومین

سید سرکار حیدر عابدی ابن سید صغیر حسین عابدی
شہید سید عنایت رضا رضوی ابن سید عنایت حسین رضوی
شہید سید عمران علی رضوی ابن سید ہادی علی رضوی
آیت اللہ العظمیٰ سید ابن حسن نجفی ابن سید مہدی حسین
آیت اللہ العظمیٰ سید مرتضی حسین نقوی صدر الافاضل ابن
مولانا سید سردار حسین نقوی
ثقۃ الاسلام طلعت سیدہ جعفری بنت سید حسن مثنی
سید صغیر حسین عابدی ابن میر مخدوم علی
سیدہ اقبال بیگم بنت میر مطلوب حسین
سید عنایت حسین رضوی ابن سید ثروت حسین رضوی
سید ساجد حسین رضوی ابن سید سجاد حسین رضوی
سیدہ اقبال جہاں بنت سید فدا حسین رضوی
سیدہ افسر جہاں بنتِ سید جواد حسین
سید تنویر السلام زیدی ابن سید اقبال حسین زیدی
سید ہادی علی رضوی ابن سید صادق علی رضوی
سیدہ عشرت جہاں عابدی بنت سید صغیر حسین عابدی
سید امین الحسن عابدی ابن سید علی حسین عابدی
سیدہ سکندر جہاں عابدی بنت سید صغیر حسین عابدی
سید کاظم علی زیدی ابن سید عابد علی زیدی
سید مظہر حسین عابدی ابن سید صغیر حسین عابدی

رضوانہ شمیم بنت شاہ ہادی عطا

مرزا وصی حیدر ابن مرزا محمد حیدر

سیدہ شمس آرا بیگم بنت سید محمد تقی زیدی

سید ظہور الحسن ابن سید سرفراز حسین

شاہجہان بیگم بنت محمد عباس

سیدہ صالحہ رضوی بنت سید سرفراز حسین رضوی

سید جلال حیدر جعفری ابن سید علی صغیر جعفری

سیدہ کنیز فاطمہ عابدی بنت سید ارتضاء جعفری

سید سعید حیدر رضوی ابن سید رئیس حیدر رضوی

سید علی کاظم جعفری ابن سید آل رضا جعفری

سید حسین عاصم جعفری ابن آل رضا جعفری

سید ہاشم جعفری ابن سید آل رضا جعفری

زینب صغریٰ بنت حسین احمد

سید حامد علی نقوی ابن سید ولی حیدر نقوی

سید شرافت علی نقوی ابن سید شجاعت علی نقوی

سیدہ شفیق زہرا بنتِ سید ممتاز حسین

سید قاسم رضا رضوی ابن سید علی مہدی

سیدہ جمال فاطمہ بنتِ سید شاہد حسین زیدی

سید فدا حسین رضوی ابن سید واجد حسین رضوی

سید فدا عباس رضوی ابن سید فدا حسین رضوی

سید فدا اصغر رضوی ابن سید فدا حسین رضوی

سید فدا اکبر رضوی ابن سید فدا حسین رضوی

محمد افضل حیدر ابن عبد الرشید
رئیس حیدر ابن محمد حیدر
محمد اجمل ابن محمد حیدر
محترمہ احسن جہاں بنتِ علی سجاد
سکندر عالم ابن جعفر حسین
علی حسنین ابن عارف حسین
آسیہ بیگم بنت سید کفایت علی نقوی

اپنی دعاؤں میں ان مرحومین کو بھی یاد رکھیں
جن کے لواحقین موجود نہیں اور کوئی ان کیلئے
دعا کرنے والا نہیں ہے۔